۱۵ ستمبر ۱۹۷۰ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۲۹ | ایڈیٹر آل احمد سرور | شمارہ ۳۵

اس شمارے میں

آل احمد سرور

میں نے امریکہ کو کیسا پایا؟

(۱)

امریکہ جاتے ہوئے جب میں کچھ دن مانیس (مغربی جرمنی) میں ٹھہرا تو وہاں کی یونی ورسٹی کے سائکالوجی کے شعبے میں جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں دیواروں پر میں نے طلبہ کی لگائی ہوئی تحریریں دیکھیں۔ ان میں کچھ مارکس کے اقوال تھے اور کچھ مارکوزے کے۔ مارکوزے کے نام سے میں واقف تھا مگر یہ اندازہ نہ تھا کہ اس امریکن مصنف اور مفکر کے خیالات جرمنی کے طلبہ میں بھی اتنے مقبول ہیں۔ امریکہ کے قیام کے زمانے میں کئی استادوں اور طالب علموں سے امریکہ کی مختلف اہم شخصیتوں کے متعلق جب تبادلۂ خیال کیا تو مارکوزے کا نام بار بار آیا۔ مارکوزے (MARCUSE) اب ۷۲ برس کا ہوگا۔ جرمنی سے نازیوں کے اقتدار میں آنے کے بعد امریکہ آگیا۔ کولمبیا، ہارورڈ اور برینڈیز یونیورسٹی میں ریسرچ کرچکا ہے۔ آج کل کیلی فورنیا یونی ورسٹی میں سیاسی فکر کا پروفیسر ہے۔ اس کی ایک کتاب (EROS AND CIVILIZATION) 'کام دیوتا اور تہذیب' خاصی مشہور ہے۔ جب میں تحلیل نفسی اور ادبی تنقید کے ایک کورس میں شرکت کر رہا تھا تو پروفیسر ویزیولک بار بار ناومن براؤن کی کتاب زندگی موت کے مقابل (LIFE AGAINST DEATH) اور مارکوزے کی کتاب (EROS AND CIVILIZATION) کا بار بار حوالہ دیتے تھے۔ مارکوزے بائیں بازو کے خیالات رکھتا ہے۔ اس لئے نوجوانوں میں خاصا مقبول ہے۔ وہ برسراقتدار طبقے (ESTABLISH MENT) کا سخت مخالف ہے۔ وہ مقابلے کی اس دیوانگی کے خلاف ہے جو سرمایہ دارانہ نظام میں خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔ وہ اس سرمایہ دارانہ نظام کی میکانیکی اور مشینری پر چلنے والی زندگی سے بیزار ہے۔ اس کے نزدیک آزادی کی فضا پیدا کرنے کے لئے مارکسی نظریے سے زیادہ گہرائی میں جانا ہوگا۔ اس میں فرد کی ساری خواہشات اور ضروریات کا لحاظ رکھنا ہوگا۔ یعنی EROS کو دبانے کے بجائے زیادہ صحت مند جسمانی رشتے قائم کرنے ہوں گے۔ اس کی نئی کتاب (AN ESSAY ON LIBERATION) میں اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے کہ سوشلزم پر یقین رکھنے والوں کی بہت سی توانائی سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلے پر صرف ہوجاتی ہے یہ توانائی ایک فوجی نظام اور ایک آہنی دفتری نظام کو برقرار رکھنے پر مجبور ہے اور اس طرح بالآخر امریکی معیار زندگی ان کے لئے ایک ماڈل بن جاتا ہے۔ اس لئے سوشلزم

اشاعت کی تاریخیں
۱، ۸، ۱۵، ۲۲

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

فی کاپی: ۱۵ پیسے
قیمت سالانہ: ۵ روپے

کو اس تھکا دینے والے مقابلے کے بجائے سیاہ فام اشخاص کی بغاوت اور طلبہ کی برہمی سے سبق لے کر افراد کی زندگی میں آزادی (LIBERATION) پر زور دینا چاہئے اور ایک مستقل تبدیلی کے لئے تیار رہنا چاہئے تاکہ افراد کی زندگی میں مقابلے کے بجائے تعاون اور بعض جبلتوں کے دبانے کے بجائے ان کا صحت مند اظہار زیادہ اہم ہو۔ مارکوزے آئیڈیالوجی کے بجائے آزادی کو زیادہ اہمیت دیتا ہے۔

امریکہ میں ہنری ملر کی شخصیت پر بھی اکثر بحث ہوتی رہتی ہے۔ کارل شپیرو (KARL SHAPIRO) نے اسے زندہ مصنفین میں سب سے عظیم قرار دیا ہے۔ شپیرو کے نزدیک وہ لکھنے والا (WRITER) نہیں بلکہ مصنف (AUTHOR) ہے۔ شپیرو نے اپنے ایک مضمون میں یہ تجویز کی تھی کہ امریکہ کے ہوٹلوں میں ہر کمرے میں انجیل مقدس کی جو کاپی رکھی رہتی ہے، اس کے بجائے ملر کی تحریروں کے اقتباسات پر مشتمل ایک کتاب ہونی چاہئے بظاہر ملر کی ناولیں (TROPIC OF CANCER) اور (TROPIC OF CAPRICORN) حد درجہ عریاں ہیں بلکہ جا بجا فحش، لیکن شپیرو اور لارنس ڈریل اور دوسرے ممتاز ادیبوں کا کہنا ہے کہ ان کے باوجود ملر دراصل بیسویں صدی کا دانٹے وھٹمین ہے۔ جارج آرویل۔ ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ اور ایزرا پاؤنڈ سب اس کی عظمت کے قائل ہیں۔ اورویل نے تو یہاں تک کہا تھا کہ ملر مستقبل کے ناول نگار کے لئے بہتا ثابت ہوگا۔ ملر ایک خاص انداز کی شاعرانہ نثر لکھتا ہے۔ وہ موجودہ میکانیکی نظام کی شدت سے مخالفت کرتا ہے اور امریکہ کی روح کو موجودہ شہریت کے قید بندمیں دیکھ کر بے چین ہوتا ہے۔ ملر ایک اختلافی شخصیت ضرور رہے گا۔ جنس کے متعلق اس کے رویے سے بہت سے سنجیدہ اشخاص کو بجا اختلاف ہوگا، مگر اس کی جاندار نثر اور اس کی عام انسان سے گہری محبت اس کی تحریروں کے خاصے حصے کو قابل قدر بھی قرار دے گی۔

(باقی)

گرو نانک اور اردو شعراء

انجمن ترقی اردو پنجاب" ایک ایسی کتاب ترتیب دے رہی ہے جس میں گورو نانک صاحب سے متعلق اردو شعراء کی تخلیقات شائع کی جائیں گی۔ شعرا حضرات سے التماس ہے کہ وہ اس موضوع پر اپنی تخلیقات مع اپنی تصویر اور مختصر حالات زندگی ذیل کے پتہ پر بھیج کر ممنون فرمائیں۔ علاوہ ازیں اگر کسی صاحب کے پاس ایسا کلام موجود ہو یا کہیں موجودگی کا علم ہو تو راقم الحروف کو معلومات بہم پہنچا کر ممنونیت کا موقعہ دیں۔

• سورج تنویر جنرل سکریٹری

اردو کے مشہور شاعر فراق کے اعزاز میں

کل ہند مشاعرہ

لکھنؤ۔ اردو کے مشہور شاعر فراق گورکھپوری جنھوں نے اپنی بہترین تخلیقات کی بنا پر گیان پیٹھ اور روس کے ایوارڈ جیتے ہیں۔ ان کی عزت افزائی کے لئے دہرہ دون میں ۱۷ اکتوبر کو ایک تقریب ہوگی۔ مشہور ادیب اس موقعہ پر فراق کی شاعری اور زندگی پر مقالات پڑھیں گے۔ انھیں ایک تھیلی اور ایک خلعت پیش کیا جائے گا۔ اس دوران ایک آل انڈیا مشاعرہ بھی ہوگا اس کی صدارت گورنر مہندر سنگھ بیدی کریں گے۔

• قومی آواز

غالب کی غزلیں انگریزی میں

اردو انگریزی کے ادیب رحمانی اندرجیت لال کی تازہ ترین کتاب "کینڈل سونگ" شائع ہوگئی ہے۔ کتاب میں غالب کی حیات کے علاوہ بیس مکمل غزلیں (اردو فارسی) معہ رنگین ڈرائنگ شامل ہیں۔ پیش لفظ ڈاکٹر خورشید الاسلام نے تحریر کیا ہے۔ یہ حسین ادبی کتاب غالب اکاڈمی نظام الدین نئی دہلی سے سات روپے پچاس پیسے میں مل سکتی ہے۔

• نامہ نگا

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

کوئی بھی درد آشنا نہیں (ناولٹ)

مصنفہ: صغرا مہدی
ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ دہلی
صفحات: ۹۴ قیمت ایک روپیہ ۵۰ پیسے

نوائے عمر

(مجموعہ کلام)

مصنف: یحییٰ اعظمی
ملنے کا پتہ: دار المصنفین، اعظم گڑھ
صفحات: ۱۰۷
قیمت: تین روپے

بشیر بدر

دامنِ گلچیں

(ایک شعری ماہ نامہ)

"دامنِ گلچیں" جنوری ۱۸۸۵ء میں منشی امیر مینائی امیر کی نگرانی میں لکھنؤ سے نکلا تھا۔ اس کے مرتب منشی محمد احمد صاحب قمر خلف جناب منشی امیر احمد لکھنوی ساکن ڈیوڑھی آغا میر، لکھنؤ تھے۔ یہ اردو پریس لکھنؤ میں باہتمام منشی احمد علی شوق، گولا گنج شائع ہوتا تھا۔

میرے پاس اس کے مندرجہ ذیل شمارے ہیں۔

(۱) شمارہ بابت ماہ مارچ ۱۸۸۵ء (صفحہ ۵ سے آخری صفحہ ۲۴ تک) ابتدائی صفحات پھٹ گئے ہیں۔ اس لئے یہ درج نہیں ہے کہ یہ کس ماہ کا پرچہ ہے لیکن مارچ ۱۸۸۵ء کا تعین اس تحریر سے با آسانی ہو سکتا ہے جو صفحہ ۲۲ پر درج ہے۔

"حضرات شعرا براہ مہربانی اب اپنا کلام جلد مرحمت فرمائیں گے تاکہ اپریل اور مئی کے نمبر جلد جلد شائع کر دئے جائیں۔"

(۲) شمارہ نمبر ۳ جلد ۱ بابت ماہ اپریل ۱۸۸۵ء مکمل صفحات ۱ تا ۲۴ آخری صفحے پر پوسٹ آفس لکھنؤ کی مہر ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اپریل کا شمارہ ۲۵ جون کو پوسٹ ہوا تھا اور دوسری مہر ڈاکخانہ خیرآباد سیتاپور بتاریخ ۲۹ جون ۱۸۸۵ء لگی ہے۔

(۳) شمارہ نمبر ۴ جلد ۱ بابت ماہ مئی ۱۸۸۵ء مکمل صفحات ۱ تا ۲۵۔

(۴) شمارہ نمبر ۶ جلد ۱ بابت ماہ جولائی ۱۸۸۵ء۔ مکمل صفحات ۱ تا ۱۹۔

(۵) شمارہ نمبر ۷ جلد ۱ بابت ماہ اگست ۱۸۸۵ء۔ مکمل صفحات ۱ تا ۱۸۔

(۶) شمارہ نمبر ۹ جلد ۱ بابت ماہ نومبر ۱۸۸۵ء۔ مکمل صفحات ۱ تا ۲۲۔

(۷) شمارہ نمبر ۱۰ جلد ۱ بابت ماہ دسمبر ۱۸۸۵ء۔ مکمل صفحات ۱ تا ۲۲۔

(۸) شمارہ نمبر ۱۱ جلد ۱ بابت ماہ دسمبر ۱۸۸۵ء۔ مکمل صفحات ۱ تا ۲۴۔

آخری صفحہ پر سیاہ روشنائی سے یہ تحریر درج ہے "مہربان مہربانی فرماکر ۸۵ء کی قیمت عنایت فرمائی (فرمائے) دستخط واضح نہیں ہے قیاس ہوتا ہے کہ منشی محمد احمد کے دستخط ہیں۔

(۹) شمارہ نمبر ۱۲ جلد ۱ بابت ماہ جنوری ۱۸۸۶ء مکمل صفحات ۱ تا ۱۷

اسی شمارے میں ایک اعلان شائع ہوا کہ منشی امیر احمد امیر لکھنؤ سے اب بدستور رامپور پہنچ گئے ہیں۔

اس لئے اب یہ پرچہ امیر مینائی کی نگرانی اور محمد احمد قمر کی مجبوریاں نکل کر منیجر مطبع آزاد اور منشی واحد علی تسکیں شاگرد امیر مینائی کے زیر نگرانی شائع ہوا کرے گا۔ اس کے بعد کے جو شمارے میرے پاس ہیں ان کا مرتب کا نام تسکیں ہے اور یہ بھی منشی احمد علی صاحب مالک اخبار آزاد کے اہتمام میں اردو پریس سے شائع ہوئے ہیں تفصیل یوں ہے۔ ان شماروں پر دامن گلچیں (DAMAN GULCHIN) انگریزی میں بھی سرورق پر لکھا ہے۔

(۱۰) شمارہ نمبر ۱ جلد ۲ بابت ماہ فروری ۱۸۸۶ء۔ مکمل ۱ تا ۱۹۔ پوسٹ آفس کاکوری کی مہر بتاریخ ۱۰ اپریل ۱۸۸۶ء سرورق پر موجود ہے۔

(۱۱) شمارہ نمبر ۴ جلد ۲ بابت ماہ مئی ۱۸۸۶ء مکمل صفحات ۱ تا ۱۹۔ (یہ شمارہ گنگا پرشاد ورما برادران پریس لکھنؤ میں چھپا)

(۱۲) شمارہ نمبر ۵ جلد ۲ بابت ماہ جون ۱۸۸۶ء مکمل صفحات ۱ تا ۱۹۔

(۱۳) شمارہ نمبر ۶ جلد ۲ بابت ماہ جون ۱۸۸۶ء مکمل صفحات ۱ تا ۱۹۔ سرورق پر دو مہریں ہیں۔ پہلی پوسٹ آفس امین آباد لکھنؤ کی بتاریخ ۱۸ ستمبر ۸۶ء ہے، دوسری پوسٹ آفس مین پوری کی بتاریخ ۲۰ ستمبر ۸۶ء ہے ان مہروں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ رسالہ خوا لیٹ شائع ہوتا تھا۔

آخری صفحہ پر اعلانات ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں۔

"التماس"

"کیوں حضرات ۱۸۸۶ء کے ۵ مہینے نکل چکے اور اب تک پیشگی بھیجنے کا خیال نہیں آخر انصاف فرمائیے کہ مطبع کا بار کون اٹھائے گا۔ ہمارے قدردان خدا کرے توجہ فرمائیں۔"

"دامن گلچیں کی ۱۸۸۵ء کی جلدیں بھی یہاں موجود ہیں جو قیمت پر بذریعہ ویلو پے ایبل یا پیشگی بھیجے پر مل سکتی ہیں۔"

اس شعری گلدستے کا اس عہد میں رسائل اور اخبار میں کیسا خیر مقدم ہوا اس کا اندازہ ان اقتباسات سے ہو سکتا ہے جو شمارہ نمبر ۳ جلد ۱ میں شامل کئے گئے تھے۔

"مقید عام دبیر اعظم۔ یہ گلدستہ سخن فہموں کی جان اور رنگیں مزاجوں کا معشوق ہے"

"مشیر قیصر" مردہ شاعری کے قالب میں جان ڈال دی ہے۔"

"رفیع الاخبار" یہ گلدستہ جیسی خیر کے ساتھ وہ کام کرتا ہے جیسے سمند ناز پر تازیانہ"

"نجم الہند" "دامن گلچیں لکھنؤ کے کمالات میں پورا ہے۔"

"تحفۂ ہند" "دامن گلچیں" ٹائپ میں (شمارہ ۲ جلد ۱ سے یعنی اس شمارے کے بعد یہ لیتھو میں شائع ہونے لگا) سیدھے سادے خوشنما انگریزی وضع پر بلاشبہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی ہندوستانی طبع نے یورپ کے مسوں کا لباس بغرض دل فریبی اہل ہند پہنا دیا ہے۔"

"ہندوستانی" "اس رسالے کی اشاعت سے بہت بھاری مدد ہمارے شاعرانہ لٹریچر کو پہنچے گی۔"

"رسالہ جامع العلوم" "دامن گلچیں اگر اسی طور پر رہا تو اپنے قسم میں عمدہ بلکہ بہت عمدہ ہے۔"

"دبیر الملک" "دامن گلچیں میں اکثر بیاسی شعرا کا بے مثل کلام پہلوئے شوق میں کیا کیا چٹکیاں نہیں لیتا اور خاطر مشتاق کو کس کس امید کا یقین نہیں دلاتا۔"

"ریاض الاخبار" "یہ پرچہ اپنے اعلیٰ مذاق سخن کے اعتبار سے فخر کا باعث ہے۔"

یہ پرچہ کب تک نکلتا رہا مجھے نہیں معلوم مگر اس کا اثر ادبی حلقوں میں بہت رہا۔

رسالہ گلچیں جس کے مہتمم ریاض خیرآبادی اور مرتب سید محمد عسکری دتیم تھے اس کے کچھ شمارے (۱۸۹۷ء کے) میرے پاس ہیں اگرچہ ریاض کے پرچے میں نظم کے ساتھ نثر کے تنقیدی و تخلیقی مضامین بھی ہیں لیکن دامن گلچیں کے اثرات صاف واضح ہیں اس پرچہ کا سائز ڈیمائی (بڑی تقطیع) تھا اور ہر صفحہ پر ۲۸ سطریں ہوتی تھیں ماہ اپریل ۱۸۸۵ء کے شمارے سے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں تاکہ اس دور کے اساتذہ کے کلام کے ساتھ عام شاعری کے رویے کا اندازہ ہو سکے۔ اس ماہ کا مصرعہ طرح یہ تھا۔

چار دن پھولوں کو شاخوں میں لگا رہنے دے

قافیہ ردیف

اس انتخاب میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ اپنی پسند سے زیادہ اس دور کے عام رنگ کی نمائندگی ہو سکے۔

اس میں ۴۲ شعرا کا کلام ہے۔ ترتیب حروف تہجی کے حساب سے ہے۔

افضل۔ جناب افضل الدولہ مظفر الملک سید محمد افضل علی خاں صاحب بہادر شوکت جنگ۔
خلف اصغر امیر مرحوم

کعبۂ ایماں کے ملانے کی کریں کچھ تدبیر
بتکدے میں ہمیں چندے جو خدا رہنے دے

یہ تو معلوم ہے سب کو کہ کبھی تھا میں وہاں
بزم میں کاش وہ خالی مری جا رہنے دے

آہ، جناب منشی ممتاز علی صاحب امیٹھوی

لب سے لب سینے سے سینے کو ملا رہنے دے
آج کی رات تو او شوخ حیا رہنے دے

امیر، جناب منشی امیر احمد صاحب مینائی لکھنوی

جب وہ بت ہی نہیں جنت میں تو جنت کیسی
ایسی جنت ہے تو دوزخ میں خدا رہنے دے
دل شکستوں کی نہ توڑ آس تو کس کھاوے یاس
آسرا آسرے والوں کا لگا رہنے دے

آبرو، جناب منشی فرزند علی صاحب رئیس قنوج شاگرد حضرت اسیر

حال بلبل پہ ذرا رحم تو کر اے گلچیں
چار دن پھولوں کو شاخوں میں لگا رہنے دے

افسر، جناب منشی تصور حسین صاحب مقیم بیبی

بعد مدت کے دکھایا ہے خدا نے یہ دن
آج کی شب تو صنم شرم و حیا رہنے دے

بسمل، جناب منشی عبد الرحمٰن صاحب نائب سررشتہ دار دیوانی رامپور۔

نہ حسن وہ کافر ہے کہ جس آنکھ میں آئے
نہ محبت، نہ مروت، نہ وفا رہنے دے

بسمل، جناب منشی واحد علی صاحب کاکوروی

ساقیا عید کا دن روز نہیں آتا ہے
آج دن بھر در میخانہ کھلا رہنے دے

تسلیم، جناب منشی امیر اللہ صاحب لکھنوی

وہ گل تنگ چمن ہوں کہ چمن سے مجھ کو
پھینک دے توڑ کے گلچیں جو صبا رہنے دے
دیکھ کر یاد تو آجاتی ہے جانبازوں کی
اپنے کوچے میں مزار شہدا رہنے دے

جلال۔ جناب حکیم سید ضامن علی صاحب، لکھنوی

پاؤں امید تری خانۂ دل میں پھیلائے
یاس کو بھی کسی کونے میں پڑا رہنے دے
دل کا خواہاں نہیں تجھ سے کوئی اے زلف سیاہ
اپنے ہی پاس یہ تو اپنی بلا رہنے دے

حسن، جناب منشی محمد حسین صاحب شاہجہانپوری، شاگرد جناب ضیا بدایونی۔

اس گلی سے بھی سلامت کوئی پھر آتا ہے
ہم سے کیوں اڑتی ہے اے باد صبا رہنے دے

حیا۔ جناب شاہزادہ مرزا ابراہیم صاحب عرف صاحب عالم

بہادر۔

دل بے تاب سے آرام کی امید نہیں
خود جو بے چین ہے وہ چین کیا رہنے دے

خیال، جناب سید محمد علی صاحب خلف جناب حکیم اکبر علی صاحب شاہجہانپور۔

کھینچ ناوک کو نہ ظالم یہ جفا رہنے دے
اپنے مہمان کو کلیجے سے لگا رہنے دے

ریاض، جناب منشی ریاض احمد صاحب خیرآبادی

ساتھ شوخی کے کچھ آنکھوں میں حیا رہنے دے
یہ بھی اک چیز ہے او فتنۂ ادا رہنے دے
کچھ بھی آیا نہ مجھے خاک اڑانے کے سوا
منھ نہ کھلوا مرا اے باد صبا رہنے دے
در میخانہ نہیں ہے یہ در کعبہ ہے
ہر جگہ چھیڑ نہ اے لغزش پا رہنے دے

رسا، جناب شیخ حیات بخش صاحب متوطن مصطفیٰ آباد، ضلع مین پوری۔

بزم میں گر نہیں آنے کی اجازت مجھکو
اپنے دیوار کے سائے میں پڑا رہنے دے
چاہتا ہوں کہ چھپے راز محبت لیکن
جب مرے چہرے کی رنگت بھی چھپا رہنے دے

شوق، جناب شیخ احمد علی صاحب اڈیٹر و پروپرائٹر اخبار آزاد۔

دیکھنا ہو جو تماشہ مری حیرانی کا
دو گھڑی سامنے آئینہ دھرا رہنے دے
جی اٹھیں گے کہیں مردے تو قیامت ہوگی
بس خدا کے لے گھنگھرو نہ بجا رہنے دے

شبیر، جناب سید محمد نوح صاحب رضوی تعلقدار مچھلی شہر شاگرد جناب منیر مغفور۔

چاندنی یوں ہی چھٹکتی ہے ہتھیلی تیری
اس میں دھبا نہ لگا رنگ حنا رہنے دے

عکس، جناب محمد حمید خاں صاحب شاہجہانپوری شاگرد ضیا بدایونی

ترے اٹھتے ہوئے جوبن کی ہے آنکھوں میں جگہ
شرم کی بات کو پردوں میں چھپا رہنے دے

غریب، جناب شیخ الٰہی بخش صاحب مرجان رقم خوشنویس رامپوری۔

درد الفت کا مداوا ہے فقط شربت وصل
اے طبیب اپنا علاج اپنی دوا رہنے دے

منظر، جناب محمد منظر الحق صاحب خلف جناب قادری شاہجہانپوری۔

اے خزاں لطف نہ کر سبزہ مرقد للّٰہ
سبز کاہی یہ دوشالہ ہے پڑا رہنے دے
سلطنت کی نہیں پروا مجھے اے ظل ہما
اس شہ حسن کے کوچے کا گدا رہنے دے

اس شمارے کے علاوہ دیگر شماروں میں تسلیم، تعشق، جلال، داغ، ریاض، جلیل مانکپوری، وسیم، امیر وغیرہ کے ساتھ سیکڑوں شعرا کا کلام ہے۔ ہر شمارے کا انتخاب انشاء اللہ جلد پیش کیا جائے گا۔ یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ ان شعری گلدستوں میں حالی، شبلی، اور آزاد جیسے شعرا نے کبھی شرکت نہیں کی جو ادب میں نئی تبدیلیاں لانے کی سعی کر رہے تھے۔

▲

کاوش بدری

غزل

کھل کے ملنے کا نہ آیا کبھی موقع کوئی
یوں تو رہتا ہے مرے ساتھ ہمیشہ کوئی

کیسے احباب ہیں پرسہ نہ دلاسا کوئی
سوزش غم کا ہے نہ ہاتھ کا لاشا کوئی

ڈولتی رہ گئی طوفان میں انگور کی بیل
جسم عریاں پہ کہیں رہ گیا پتّا کوئی

ہم پراگندہ ہیں یوں کرب کے مارے گویا
پھڑپھڑاتا ہو خلاؤں میں پرندا کوئی

اپنی ذہن کو چونکاتا ہے کوندے کی طرح
کہیں دوکان سے ویلڈنگ کا اجالا کوئی!

جب سے سرزد نظر آتا ہے خود رو پودا
شہر ہی شہر ہے گلشن ہے نہ صحرا کوئی

ایک ہی کمرے میں سبھی لوگ کھڑے ہیں لیکن
مجھ سے بڑھ کر نظر آتا نہیں تنہا کوئی

ڈستی جاتی ہے غزل ناگ پھنی کی صورت
کاش کاوش سا ملے اس کو سپیرا کوئی

مراسلات

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ......!

علمی مجلس، دلّی کے ماہی رسالہ "تحریر" جلد ۴ شمارہ ۱ ۱۹۷۰ء میں عبداللطیف اعظمی صاحب نے "اردو رسالوں کے غالب نمبر۔ ایک جائزہ" کے عنوان سے ایک جائزہ سپرد قلم کیا ہے۔ اس کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے:۔

"جناب جاوید وششٹ کا ایک مضمون "دلّی کالج اردو میگزین" میں "غالب کی حیات و شاعری کا جنسی پہلو" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اس کا پہلا پیرا اس لئے یہاں نقل کرتا ہوں کہ اس سے مضمون کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے" ملاحظہ ہو:

> "غالب صدی کے ہیرو کی حیات و شاعری کے جنسی پہلو پر روشنی ڈالنے سے قبل ہم غالب کے چند نقادوں کی وہ گراں قدر رائیں پیش کرتے ہیں جو خاص طور پر غالب کے عشق و عاشقی سے متعلق دی گئی ہیں تاکہ جنسی جبلت اور اس کے خاص واردات اور واقعات کے آئینے میں حیات غالب کی کچھ پرچھائیں ابھر آئیں اور مرزا کی سیرت کے بعض گوشے بھی نمایاں ہو جائیں:"

اس مضمون میں اقتباسات کی اتنی بھرمار ہے کہ خود فاضل مضمون نگار اس انبار میں دب کر رہ گئے ہیں اس کے علاوہ اس کے مطالعے میں طبیعت اور شرافت پر جبر کرنا پڑا اور ختم کرنے کے بعد سمجھ میں نہیں آیا کہ اس سے فائدہ کس کو پہنچے گا؟ غالب کو غالبیات کو، اردو ادب کو یا ملک و قوم کو؟ میرا تو خیال ہے کہ یہ مضمون نہ لکھا جاتا تو اچھا تھا۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ غالب کے یہاں کچھ شعر معاملہ بندی کے بھی ہیں جن کی تعداد بہت کم ہے۔ مگر ان شعروں کو پڑھتے وقت طبیعت پر اتنا بار نہیں پڑتا جتنا معترضین کی تحریروں کو پڑھتے وقت ہوتا ہے۔ جاوید وششٹ صاحب کا یہ مضمون جس پرچہ میں چھپا ہے وہ طلبہ اور طالبات کا پرچہ ہے۔ اس کے ایڈیٹر اور معاون دونوں طالبہ ہیں۔ کم از کم ان طالبات کا تو لحاظ رکھنا ہی چاہئے تھا۔ یا پھر یہ مضمون لکھنا ناگزیر ہی تھا تو یہ کسی اور پرچے میں چھپ سکتا تھا۔ غالب کی زندگی میں ایسے واقعات کی کمی نہیں جو عزم و حوصلہ کی بلندی اور انتہائی ناسازگار حالات میں بھی مایوس نہ ہونے کی بہترین مثالیں ہیں۔ طالب علموں کے لئے ایسے واقعات بیان کئے جا سکتے تھے اور ان کی شاعری کے بہترین عناصر کو پیش کیا جا سکتا تھا۔ اس سے خود استاد کا احترام قائم ہوتا، غالب کے متعلق اچھی رائے بنتی اور طالب علموں کی اخلاقی تربیت میں مدد بھی ملتی۔"

(‏[illegible])

لطیف اعظمی صاحب کے جائزہ کا یہ کلبی اور مُلّائی انداز ادب کے لئے تفریح کا موضوع تو بن سکتا ہے مگر تبصرہ و تنقید ہرگز نہیں!

میرے مقالے پر فاضل جائزہ نگار نے تین بڑے اعتراض فرمائے ہیں کہ مقالہ غیر شریفانہ، غیر افادی اور مخرب اخلاق ہے اور ان تینوں اعتراضات سے "شرانگیزی" کی بو بھی آتی ہے لہٰذا میں اس نام نہاد جائزہ کو ایک روایتی مُلّا کا بے جان مگر شرانگیز فتویٰ قرار دیتا ہوں۔ اعظمی صاحب نے یہ جائزہ تحریر کر کے شعوری یا غیر شعوری طور پر دلّی کے ایک قدیم تاریخی ادارے کی آبرو ریزی کی ہے نیز شعبۂ اردو کے طلبہ و طالبات و اساتذہ کی توہین بھی۔

اگرچہ ہمارے ملک میں زمینداری سسٹم ختم ہو چکا ہے تاہم "ادبی جاگیرداریاں" ابھی تک قائم ہیں۔ عبداللطیف اعظمی صاحب بھی ایک چھوٹے موٹے ادبی جاگیردار ہیں اور ایک مدت سے اردو زبان و ادب کی خدمت میں خامہ فرسائی کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ جامعہ ملیہ اسلامیہ (جو دلّی کالج، دلّی کا سرپرست ادارہ بھی ہے) کے دانش جانشین کے پی اے بھی ہیں، کریلا اور نیم چڑھا۔ کچھ سرپرستی کا نشہ، کچھ جاگیرداری کا زعم، سوچا نہ سمجھا، دیکھا نہ بھالا، دھر گھسیٹا جائزہ اور مزے کی بات یہ ہے کہ نفس مضمون سے متعلق ایک جملہ بھی قلم سے نہیں اگلا۔

میں نہ ماہر غالبیات ہوں اور نہ ہی غالب میرا پسندیدہ شاعر ہے۔ غالب پر یہ میرا پہلا اور آخری مقالہ تھا جو طلبہ، طالبات اور اساتذہ کے اصرار پر میں نے بڑی محنت سے لکھا تھا۔ چونکہ میں "میر کی جنسیاتی شاعری" پر ایک وقیع مقالہ سپرد قلم کر چکا تھا اس لئے مجھ سے غالب کی حیات و شاعری کے جنسی پہلو پر لکھنے کی فرمائش کی گئی تھی۔ مجھے افسوس ہے کہ اعظمی صاحب کو میرے مقالے کے مطالعہ میں اپنی "طبیعت اور شرافت پر جبر" کرنا پڑا۔ جب مقالہ کا عنوان جلی قلم سے "جنسی پہلو" لکھا تھا تو اعظمی صاحب کو چاہئے تھا کہ عنوان پر لاحول پڑھ کر ورق الٹ دیتے، پڑھنے کی زحمت ہی نہ فرماتے تو یقیناً اس "جبر" سے انہیں نجات مل جاتی۔ سرورق سے ظاہر تھا کہ مقالہ صرف "بالغوں کے لئے" ہے مگر اعظمی صاحب تو ایک "پیر نابالغ" ثابت ہوئے۔

آج "جنس" یا "ذکرِ جنس" شجرِ ممنوعہ نہیں ہے۔ غیر ممالک میں آج بھی بہت سی یونیورسٹیوں میں جنسیات کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے۔ ہمارے قدیم ویدک دور کے سنسکرت لٹریچر میں بھی جنسیات سے متعلق وافر ذخیرہ موجود ہے مثلاً کام سوتر، کام شاستر، رتی شاستر، کوک شاستر وغیرہ جن میں اس علم کو سائنس اور آرٹ دونوں قرار دیا گیا ہے۔ اس دور میں اس کی باقاعدہ تعلیم بھی دی جاتی تھی۔

اگر عنقی صاحب کا نام نہاد "شریفانہ" اور "اخلاقی" نظریہ ہی صحیح تسلیم کر لیا جائے تو جنسیات سے متعلق قدیم و جدید لٹریچر کو نذر آتش کرنا پڑے گا اور "کھجوراہو" کے مندروں کو بھی مسمار کرنا پڑے گا۔

مقالہ میں اقتباسات کی بھرمار ناگزیر تھی کیونکہ معاملہ نازک بھی تھا اور خطرناک بھی۔ مرزا کی حیات و شاعری کے جنسی پہلو کو نمایاں کرنا پل صراط سے گزرنا تھا۔ اسی لئے میں نے خود کو ہر الزام سے بری رکھنے کے لئے ہی اس قدر اقتباسات پیش کئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود جو

یہ بات ان کو بہت ناگوار گزر رہی ہے

ڈاکٹر بجنوری نے غالب پرستی کی بنیاد رکھی اور غالب کا ایک عظیم بت بنایا۔ یاس یگانہ چنگیزی نے غالب شکنی کی مگر بت کچھ اور عظیم ہو گیا۔ بت کی عظمت مسلم مگر جن ادبی جاگیرداروں نے شعوری یا غیر شعوری طور پر اس بت کو خدا بنا لیا تو انھوں نے "دین غالب" کی تبلیغ و اشاعت بھی شروع کر دی۔ اب وہ غلامان مغلین کی کیوں سننے لگے' ان کی جاگیردارانہ انانیت کو جو ٹھیس لگی ہے۔

عنقی صاحب میرے مقالہ کو غیر افادی کیسے کہہ سکتے ہیں جبکہ سب سے پہلا فائدہ ان کو یہی پہنچا کہ ان کا ایمان تازہ ہو گیا' اثر اقتدہ پر جلا ہو گئی اور طبیعت بھی کچھ سنبھل گئی۔ کیا عنقی صاحب نے کبھی ڈاکٹر عندلیب شادانی مرحوم کے اس مضمون کا جواب دیا جس میں انھوں نے غالب پر امرد پرستی کا بہتان لگایا ہے؟ میں نے اس کا معقول جواب دیا ہے۔ لطیف صاحب نے غالب نمبروں کے چار ہزار ایک سو چالیس صفحات کی ورق گردانی کی ہے، کیا انھیں اس موضوع پر کوئی اور مقالہ نظر پڑا؟ اگر نہیں تو انھیں میری جدت طرازی کی داد دینا چاہئے اور اسے غالبیات میں کچھ اضافہ ہی سمجھنا چاہئے۔ اس پر بھی "غالبئے" ناشکرے ہوں تو ہوا کریں۔

غالب صدی کے ہجوم تقریبات کو میں "غالب منتھن" کا نام دیتا ہوں۔ جس طرح "امرت منتھن" میں چودہ رتن نکلے تھے اور ان میں ایک "زہر کا مٹکا" بھی تھا اسی طرح غالب منتھن میں بھی ایک زہر کا مٹکا نکلا "غالب کی حیات و شاعری کا جنسی پہلو"۔ امرت منتھن کے زہر کو تو شیو جی نے پی لیا تھا غالب منتھن کے زہر کو عبداللطیف اعظمی صاحب کیا پیئں!

تاہم میں عنقی صاحب کا شکرگزار بھی ہوں کہ انھوں نے اپنے منفی اور معاندانہ رویہ کے باوجود میرے مقالہ کی اچھی خاصی پبلسٹی بھی کر دی ہے۔

مرزا کی "اگنی پریکشا" کے بعد بھی مرزا کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ تبرک کے طور پر میں اپنے مقالہ کا آخری پیرا پیش کرتا ہوں۔

"مرزا نے بے شمار خطاؤں اور خامیوں کے باوصف اردو غزل کو فکر کی گہرائیاں اور تخیل کی بلندیاں عطا کی ہیں۔ اس حقیقت سے انکار ناممکن ہے۔ غالب ریاکار نہیں تھے۔ انھوں نے اپنے باطن کو کھول کر رکھ دیا تھا؎

تماشائے گلشن ، تمنائے چیدن
بہار آفرینا ، گنہ گار ہیں ہم

مگر بے چارے مرزا کے ساتھ ہمارے نقادوں نے بھی بڑی زیادتیاں کی ہیں۔ کسی نے انھیں فلسفی بنا دیا تو کسی نے صوفی یا پھر انھیں اخلاقی اور مذہبی عینکوں سے دیکھا گیا۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو مرزا کی شاعری میں ایک ارتقائی عمل بھی برابر ارتقا پذیر نظر آئے گا۔ غالب نے اردو غزل کو رفعت و عظمت بخشی ہے۔ ایک ناآسودہ و تشنہ کام فن کار کی طرح مرزا نے فن کو وہ جلا دی کہ آج وہ صحیح معنوں میں غالب صدی کا ہیرو ہے؎

ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے
شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے"

اتنا کچھ کہنے کے بعد آخر بقول غالب یہی کہنا پڑتا ہے کہ؎

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انھیں کچھ نہ کہو!

• دہلی • جاوید وششٹ

دیوانِ غالب - بخطِ غالب - ایک انکشاف

نسخۂ عرشی زادہ کے متعلق اپنے بعض شکوک کا اظہار میں یکم اگست ۱۹۷۰ء کے ہماری زبان میں کر چکا ہوں۔ اب اطلاعاً یہ عرض کرتا ہوں کہ اس نسخہ کے متن میں ایک غزل یہ ہے؎

دل بیتاب کہ سینے میں دم چند رہا
ہمدم چند گرفتار غم چند رہا
زندگی کے ہوئے ناگز نفس چند تمام
کوچۂ یار جو مجھ سے قدم چند رہا
لکھ سکا میں نہ سے شکوۂ پیمان شکنی
لاجرم توڑ کے عاجز قلم چند رہا
العنت زر بہر نقصاں ہے کہ آخر فارغ
زیر بار غم دام و درم چند رہا
عمر بھر ہوش نہ یکجا ہوئے میرے کہ اسد
میں پرستندۂ روئے صنم چند رہا

یہ پوری غزل ابتدا سے آخر تک مرزا اسد اللہ غالب کے ایک ہمعصر نصر اللہ خاں خویشگی نے اپنے تذکرہ "گلشن ہمیشہ بہار" میں میرامانی اسد کے نام سے نقل کی ہے فرق صرف یہ ہے کہ پہلے شعر کے مصرعہ اولیٰ میں "کہ" کی جگہ "جو" مصرعہ ثانی میں "غم"

کی بجائے 'دم' ہے، دوسرے شعر میں 'کے ہوتے' کی جگہ 'ہو چکی' 'در مجھ' کی بجائے 'بم' اور چوتھے شعر میں 'یہ نقصان ہے کہ' کی بجائے 'یہی کے نقصان میں' ہے اس کے علاوہ کوئی اور فرق نہیں (ملاحظہ ہو صفحہ ۷۶ تذکرہ گلشن ہمیشہ بہار، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء)

اور یہ میر امانی اسدؔ وہ تخلص ہے جس کے ایک شعر کو اپنے نام سے سن کر مرزا نے کہا تھا کہ اگر وہ میرا ہو تو مجھ پر لعنت۔ یقینی ہے کہ خود مرزا اس غزل کو اپنے دیوان کے متن میں شامل نہ کر سکتے تھے بلکہ اگر دیکھئے تو یقینی طور پر اس کی بزور تردید بھی کرتے۔ یہ واقعہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ دیوان مرزا اسد اللہ خاں غالب نے نہ لکھا اور نہ اسے دیکھا۔

'باغ فہم' مولفہ میر مہر علی اکبر آبادی (صفحہ ۱۲، ۱۵ر اگست ۱۸۷۲ء) میں اسدؔ کی غزل مذکورہ پر ایک خمسہ اس عنوان سے لکھا ہوا ہے۔

"خمسہ میاں جی ہدایت علی در غزل اسدؔ"

اسی کتاب میں ایک اور غزل پر بھی خمسہ لکھا ہوا ہے جس کا مقطع یہ ہے ؎

آپ سے میرا وہ احوال نہ پوچھے تو اسدؔ
حسب حال اپنے پھر اشعار کہوں یا نہ کہوں

اس خمسہ پر عنوان اس طرح قائم کیا گیا ہے۔

"مخمس معروف بر غزل نواب اسد اللہ خاں بہادر المتخلص بہ اسد ملقب بہ غالب"

باوجود دونوں غزلوں کے مقطع میں اسدؔ تخلص ہونے کے مولف نے شاعر کا نام لکھنے میں فرق کیا ہے، صاف ظاہر ہے کہ وہ دونوں کو الگ الگ شمار کرتا ہے۔ اب تذکرہ خوشگو کے حوالے سے یہ بات ظاہر ہے کہ اس نے میر امانی اسدؔ کو صرف اسدؔ کہا اور مرزا غالب کا نام کو احترام کے ساتھ لکھا۔ قاضی سراج دھولپوری صاحب نے غلطی سے اسدؔ کی غزل کو "تبرکات غالب" میں شامل کر لیا ہے (ہماری زبان مورخہ یکم اگست ۱۹۶۷ء) لیکن اس غلط انتساب کی ذمہ داری ان کے سر ہے۔

علی گڑھ • محمد انصار اللہ

عالمگیر کے عہد کے ایک اردو مخطوطہ کی دریافت

جد محترم حکیم حاجی قاضی سید محمد کرم حسین صاحب رحمتہ اللہ علیہ تجارہ ریاست الور کے ذخیرہ میں مجھے عالمگیر کے ابتدائی عہد کا ایک اردو مخطوطہ دستیاب ہوا ہے۔ یہ مخطوطہ عالمگیر کے تخت نشین ہونے کے صرف چھ سال بعد ۱۰۷۴ھ کا ہے۔ اس کے مصنف میرے جد امجد قاضی سید عنایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ تصنیف ہی کی طرح اس کی کتابت بھی خاندان کے ایک بزرگ سید اولاد حسین کے ہاتھوں ۱۲۱۷ھ میں تجارہ میں ہوئی ہے۔

یہ بزرگوں کی دو دوسری اردو کتابوں کے ساتھ مجلد ہے۔ ان میں سے ایک کتاب "ہدایت الاسلام" ہے جو اکبر شاہ ثانی کے عہد سے متعلق ہے۔ اور دوسری "نصیحت المسلمین" ہے۔ جو ۱۲۲۸ھ کی تصنیف ہے۔

عالمگیری عہد کی کتاب کا نام فقہ ہندی ہے۔ جس میں نظم میں فقہی مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ اپنی قدامت کے لحاظ کے علاوہ چونکہ ہریانہ اور میوات سے مصنف کا تعلق ہے اس لئے اردو زبان پر ہریانی اور میواتی اثرات کے نقطہ نظر سے بھی یہ کتاب نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ میں نے اس کی ترتیب و تدوین کا کام شروع کر دیا ہے۔ امید ہے طباعت کی منزلیں جلد طے ہوں گی۔

علی گڑھ • حکیم سید ظل الرحمٰن

"کریما"

"کریما" سے متعلق یہ مشہور ہے کہ یہ شیخ سعدی کی تصنیف ہے مگر یہ نظم کلیات سعدی کے قدیم مخطوطات میں بھی نظر نہیں آتی اور شیخ سعدی کی وفات کے بعد علی ابن احمد بیستونی نے جو ایڈیشن شائع کیا تھا اس میں بھی شامل نہیں ہے البتہ کلکتہ کے ایک ایڈیشن ۱۷۹۱ء میں شامل ہے۔

گمان گذرتا ہے کہ یہ تصنیف شیخ سعدی کی نہیں بلکہ اسی نام کے کسی اور شاعر کی ہے۔ میں فارسی ادب سے تعلق رکھنے والے حضرات سے اس پر روشنی ڈالنے کی گذارش کرتا ہوں۔

کولار • نجم الحسن انجم ادیب

اخبار و اذکار

ممتاز شاعر جناب سلیمان اریب کا انتقال پر ملال

حیدرآباد:- اردو کے ممتاز شاعر ایڈیٹر صبا اور حیدرآباد کی ادبی زندگی کی ایک نامور شخصیت جناب سلیمان اریب طویل عرصہ سے بعارضہ کینسر مبتلا تھے اور کینسر ہاسپٹل میں زیر علاج تھے کھانے کے بعد انھیں نیند آگئی لیکن آدھی رات کے بعد ان کی طبیعت خراب ہوگئی اور خون کی قے کے بعد روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی حیدرآباد میں اس خبر سے ادبی حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی اور جا بجا تعزیتی جلسے منعقد کرکے تعزیتی قراردادیں منظور کی گئیں۔

ادارہ ہماری زبان مرحوم کے انتقال پر ملال پر رنج و غم کے ساتھ ان کے پسماندگان سے اظہار ہمدردی کرتا ہے۔
نامہ نگار

سلیمان اریب کی وفات پر

انجمن اردوئے معلّیٰ (شعبۂ اردو) کا تعزیتی جلسہ

اردو کے ممتاز شاعر سلیمان اریب کی وفات کی المناک خبر موصول ہونے پر انجمن اردوئے معلّیٰ شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی کے ایماء پر زیر صدارت جناب فضل الرحمٰن پرو وائس چانسلر ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا جس میں شعبہ کے تمام اساتذہ کے علاوہ یونیورسٹی کے دوسرے معزز حضرات نے شرکت کی۔

فضل الرحمٰن صاحب نے مختصراً سلیمان اریب کی حیات اور ان کی زندگی کے ادبی گوشوں کو اجاگر کرتے ہوئے فرمایا۔ مرحوم نے اپنی ادبی زندگی کا صحیح معنوں میں آغاز ۱۹۴۶ء سے کیا اور اس ۲۵ سال کی مدت میں انھوں نے نامساعد حالات کے باوجود جس ذوق و شوق کے ساتھ ادبی و سماجی خدمات انجام دیں اس سے صرف اہل حیدرآباد ہی نہیں بلکہ پورا ملک واقف ہے۔ تقریر کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اس درمیان میں ادیب نے اپنی شرافت طبع اور وسیع انسانیت سے ہمدردی کی بنا پر اپنے مخالفین تک کے دلوں میں ایک جگہ بنالی۔ اریب کی زندگی میں چند سال بڑے صبر آزما گزرے ہیں، خصوصاً وہ زمانہ جب انہوں نے "صبا" نکالنا شروع کیا۔ اس وقت وہ ایک معاشی بحران سے دوچار تھے۔ اس کے باوجود بھی ان کی ادبی سرگرمیوں میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی اور رسالہ "صبا" اب تک کسی نہ کسی صورت سے جاری ہے۔

اس کے بعد وحید اختر نے جنھیں دوستی اور ہم وطنی کے سبب مرحوم کی زندگی میں بہت قریب سے جھانک کر دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ ایک مختصر تقریر کی جو ان کے دلی کرب کی غمازی کرتی ہے۔

وحید صاحب نے فرمایا کہ مرحوم رضاکار سیاست کے دور میں ادبی دنیا میں داخل ہوئے، وہ حیدرآباد کے ان چند ایک شاعروں میں سے تھے جنھوں نے رضاکارانہ سیاست سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا اور ترقی پسندی کا مسلک اختیار کیا۔ مخدوم محی الدین کے بعد جس شخص نے پورے خلوص دل کے ساتھ ترقی پسند ادب کی تحریک کو جلا بخشی اور اسے فعال اور توانا بنائے رکھا ان میں اریب کا نام یادگار رہے گا۔ انجمن ترقی پسند مصنفین کے وہ کافی دنوں سکریٹری رہے اس کے علاوہ بھی زندگی میں مختلف انجمنوں کے سکریٹری شپ کے فرائض انجام دیئے۔ اریب نے اپنی شاعری پر سیاسی اثرات غالب ہونے سے بچالیا۔ وہ صحیح معنوں میں ایک وسیع المشرب، روشن خیال اور مجاہد تھے۔ آپ نے ۱۹۵۵ء سے خود اپنا رسالہ "صبا" نکالنا شروع کیا مگر دلچسپی کی وہ زمانہ بھی ہے جب وہ معاشی تنگیوں میں پوری طرح مبتلا نظر آتے ہیں۔ اریب کے خلاف سیاسی نظریئے کی بناء پر کافی ہنگامے بھی ہوئے لیکن وہ اپنی جگہ پر اٹل رہے۔ ادبی مسائل کے سلسلہ میں انہوں نے سیاسی تنگ نظری کو ہرگز جگہ نہ دی آخر میں صدر نے فرمایا کہ اریب کا سانحۂ موت ہم سب کے لیے اور خصوصاً حیدرآباد کی ادبی و تہذیبی محفلوں کے لیے ایک ناقابل تلافی خسارہ ہے۔ اردو کے لوگ اگر رسالہ "صبا" کو جاری رکھ سکیں تو یہ انہیں یاد رکھنے کے مترادف ہوگا۔

اس کے بعد جناب ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی نے مندرجہ ذیل تعزیتی قرارداد پڑھ کر سنائی۔

"انجمن اردوئے معلّیٰ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا یہ جلسہ اردو کے مشہور اور ممتاز شاعر سلیمان اریب کی بے وقت موت پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔

سلیمان اریب حیدرآباد کے ان شاعروں میں سے تھے جنھوں نے مخدوم کے بعد ناسازگار حالات میں ترقی پسند تحریک کو زندہ اور سرگرم رکھا انہوں نے اپنے سیاسی نظریات کی وجہ سے دو بار قید و بند کی اذیتیں بھی برداشت کی۔ وہ برسوں انجمن ترقی پسند مصنفین اور امن کمیٹی کی حیدرآباد شاخ کے سکریٹری رہے بعد میں بھی حیدرآباد کی ادبی اور تہذیبی زندگی میں انہوں نے بڑے اہم کام کیے۔ اریب ایک زمانہ تک ترقی پسند رہنے کے باوجود اردو کے جدید ادبی میلانات کے سرگرم موید رہے۔ اُن کے ادبی مشرب میں خیال اور تفکر کی وسعت تھی۔ وہ ادبی اقدار کو سیاسی اور نظریاتی مسائل پر اہمیت دیتے تھے اس لیے اُن کی تخلیقی توانائیاں آخر تک برقرار رہیں۔ آزادی کے بعد غزل کے احیاء اور مقبولیت میں اریب کو نمایاں مقام حاصل ہے سنہ ۶۰ء کے بعد انھوں نے پھر نظمیں لکھنی شروع کی جو جدید طرز احساس کی نمائندگی کرتی ہیں۔ انھوں نے جدید ادبی میلانات کو نہ صرف اپنی شاعری میں برتا بلکہ اپنے رسالے "صبا" کے ذریعہ سے بھی جدید میلانات اور تجربات کی ہمت افزائی کی۔

اریب کی زندگی کا بڑا حصہ مختلف رسائل کی ادارت میں گزرا۔ وہ "چراغ" "حیدرآبادی" "سب رس" اور "صبا" کے مدیر رہے "صبا" شمارہ آزادی کے بعد کے اہم ترین ادبی رسائل میں ہوتا ہے۔ حیدرآباد کے اکثر اہم شاعروں اور افسانہ نگاروں کو "صبا" نے ہی ادبی دنیا سے متعارف کرایا ہے۔ بیرون حیدرآباد کے بھی بہت سے شعراء اور ادیب اپنی شہرت کے لیے "صبا" اور اریب ہی کے مرہون منت ہیں۔ اس

طرح ادیب کی حیثیت ایک شاعر کی نہیں، ایک زندہ ادبی ادارہ کی تھی۔ اُن کا رسالہ ادیب وسیع تھا۔ آئینہ گھر اور "صبا" بھی حیدر آباد کی ادبی اور تہذیبی زندگی میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

ادیب کو اسی حیثیت میں ہندوستان اور پاکستان کی ادبی دُنیا میں بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔

ادیب پچھلے چند مہینوں سے کینسر کے جان لیوا مرض میں مبتلا تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنی ادبی سرگرمیاں اور صبا کی اشاعت جاری رکھی۔ اُن کی موت سے حیدر آباد کی سیاسی، ادبی اور تہذیبی زندگی کا ایک دور واقعی ختم ہو گیا۔ ہم اہل حیدر آباد اور ادیب کے پسماندگان خصوصاً ان کی بیگم صفیہ ادیب اور بیٹے کے غم میں شریک ہیں۔ ادیب کی موت اُردو دُنیا کے لیے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اسی رشتے سے ادیب کی موت اُردو سے محبت کرنے والوں کے لیے ذاتی غم کی حیثیت رکھتی ہے۔

ہم دُعا کرتے ہیں کہ خدا ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

(نامہ نگار)

واجد علی شاہ اسکالرشپ

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی گولڈن جوبلی کے موقع پر واجد علی شاہ کے قائم کردہ ٹرسٹ امامباڑہ سبطین آباد وانڈاؤمنٹ فنڈ (کلکتہ) نے یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو میں ایم۔ اے کی تعلیم کے لیے پچاس روپیہ ماہوار کی اسکالرشپ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ اسکالرشپ اس طالب علم کو دی جائے گی جو اودھ کی تاریخ ادب اور ثقافت سے دلچسپی رکھتا ہو اور ایم اے کے اختیاری پرچوں میں ایسے مضامین کا انتخاب کرے جن کا اودھ سے تعلق ہو۔ شعبۂ اُردو نے اس سلسلہ میں اپنی منظوری دیتے ہوئے "اودھ اور اُن کا عہد" کے عنوان سے ایک خصوصی پرچہ کا اضافہ بھی کیا ہے۔

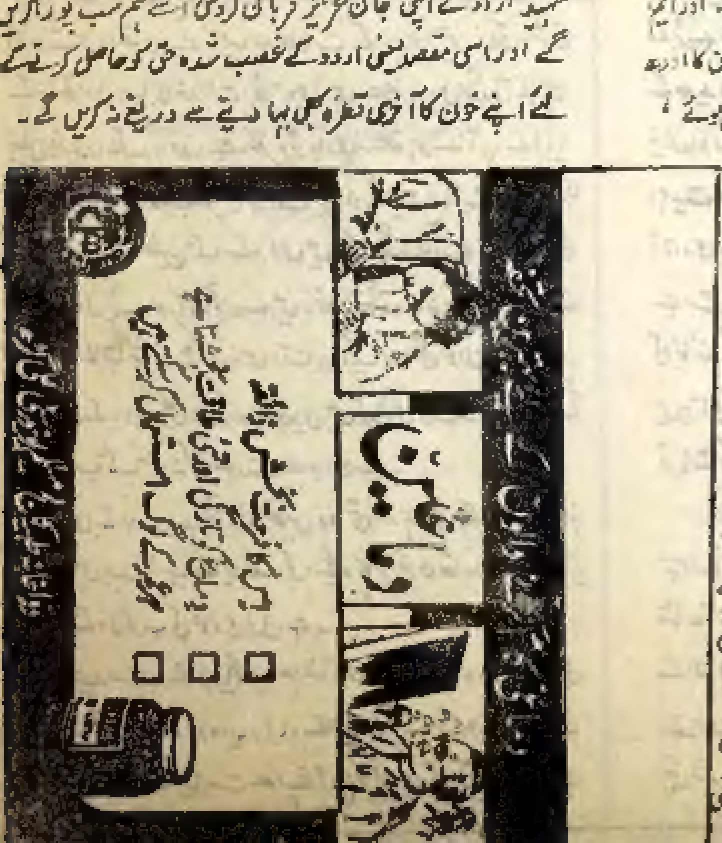
بورڈ آف ٹرسٹیز کے فیصلے کے مطابق ۱۹۸۷ء میں منائی جانے والی واجد علی شاہ کی صد سالہ تقریبات کے سلسلے کا یہ پہلا قدم ہے۔ آئندہ اور بھی وظائف دیے جائیں گے اور کوشش کی جائے گی کہ واجد علی شاہ کے قائم کردہ اسکول اور کتب خانے کی تجدید کی جا سکے۔

بورڈ کے فیصلے کے مطابق علمی سطح پر اس تاجدار کے ساتھ جو ناانصافیاں ہوئیں ان کی تلافی ضروری ہے اور اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جو ادارے اس موضوع سے دلچسپی رکھتے ہوں۔ ان سے تعاون کیا جائے تاکہ ۱۹۸۷ء تک ایسا مناسب ماحول اور اہل علم پیدا ہو سکیں جو واجد علی شاہ کی صد سالہ برسی کی تقریبات میں حصہ لیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ اردو اور شعبۂ تاریخ میں زمانے سے اودھ کے موضوع پر کام ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ شعبۂ اردو کے پہلے ڈاکٹریٹ کے مقالے "لکھنؤ کا دبستان شاعری" سے تاحال آخری مقالے "واجد علی شاہ کی ادبی اور ثقافتی خدمات" تک اودھ سے متعلق مختلف موضوعات پر گرانقدر کام ہوا ہے۔ اول الذکر مقالہ ۱۹۴۰ء میں جناب ابواللیث صدیقی نے لکھا تھا اور آخرالذکر مقالے پر اسی سال کے شروع میں جناب کوکب قدر سجاد علی مرزا کو پی۔ ایچ۔ ڈی کی سند ملی۔ فی الحال سید محمود حیدر نقوی "مثنویات واجد علی شاہ" پر کام کر رہے ہیں۔ شعبۂ تاریخ میں مسز [illegible] صاحبہ نے "اودھ کا فن تعمیر" پر حال ہی میں ایم فل کی سند حاصل کی اور اب وہ پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے "اودھ کی ثقافت" پر کام کر رہی ہیں۔

شہید اردو پنڈت دیو نرائن پانڈے کو خراج عقیدت

سیوان:- عبدالغنی اردو لائبریری سیوان کے زیر اہتمام عبدالغنی اردو لائبریری ہال میں ایک جلسہ زیر صدارت جناب پروفیسر اعجاز امام صاحب ڈی۔ اے۔ وی کالج سیوان منعقد ہوا۔ جلسہ کا آغاز کرتے ہوئے مشہور قومی کارکن جناب ایم۔ این۔ احمد غنی صاحب سرپرست حلقۂ ادب "سیوان" نے جلسہ کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم سب آج یہاں اردو کے عظیم سپوت آنجہانی پنڈت دیو نرائن پانڈے کی تیسری برسی پر خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔

شہید اردو کو خراج عقیدت پیش کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ہم سب آج عہد کریں کہ جس عظیم مقصد کے لئے شہید اردو نے اپنی جان عزیز قربان کر دی اُسے ہم سب پورا کریں گے اور اسی مقصد یعنی اردو کے غصب شدہ حق کو حاصل کرنے کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہا دینے سے دریغ نہ کریں گے۔



جناب ایم۔ ایں احمد غنی صاحب کے بعد محی الدین صدیقی جوائنٹ سکریٹری عبد الغنی اردو لائبریری تقریر کرنے کھڑے ہوئے انھوں نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے، شہید اردو نے اپنی جان عزیز اردو کے حقوق کی لڑائی لڑتے ہوئے قربان کرکے ان کے منھ پر بھرپور طمانچہ مارا ہے اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ اردو صرف چند مسلمانوں کی زبان ہے۔

لہٰذا اپنی لڑائی کے طور پر ہم سبھوں کو چاہئے کہ آئندہ مردم شماری میں اپنی مادری زبان اردو لکھوائیں اور اس بات کا سختی سے خیال رکھیں کہ آپ جو کچھ لکھوا رہے ہیں لکھنے والا وہی لکھ رہا ہے یا نہیں۔

• سیاست

انجمن اساتذۂ اردو جامعات بہار کے قیام کا فیصلہ

گورکھپور یونی ورسٹی کے زیر اہتمام یونی ورسٹی گرانٹس کمیشن کی سرپرستی میں ۲۲ مئی سے ۸ جون ۷۰ء تک یوپی اور بہار کی مختلف یونیورسٹیوں کے اساتذہ اردو کا ایک ریفریشر کورس اور سیمینار منعقد ہوا۔

اس موقع پر یوپی اور بہار کے مشاہیر اساتذہ نے اس خیال کا اظہار کیا کہ انجمن اساتذہ اردو جامعات ہند جو کل ہند پیمانہ پر چند برسوں سے قائم ہے اور جس کی شاخیں مختلف ریاستوں میں قائم ہو چکی ہیں باقی ماندہ ریاستوں میں بھی جلد قائم ہونی چاہئیں۔

مندرجہ بالا خیال کے تحت بہار کی یونی ورسٹیوں کے ان اساتذہ نے جو گورکھپور میں موجود تھے پروفیسر اختر قادری صدر شعبۂ اردو و فارسی بہار یونی ورسٹی کی صدارت میں ایک جلسہ کیا۔ اس میں پروفیسر افصح ظفر اور پروفیسر علیم اللہ حالی (مگدھ یونی ورسٹی) پروفیسر احمد سجاد اور پروفیسر ابوذر عثمانی (رانچی یونی ورسٹی) ڈاکٹر عبد الواسع، پروفیسر حامد ظہیرادی، پروفیسر انور سیوانی، پروفیسر تہذیب ہاشمی، پروفیسر عثمان علی خاں اور پروفیسر منظور نعمانی (بہار یونی ورسٹی) شریک تھے۔

اس جلسہ میں قرار پایا کہ انجمن اساتذہ اردو جامعات بہار کے نام سے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی جائے جس کے اغراض و مقاصد انجمن اساتذہ اردو جامعات ہند کے اغراض و مقاصد ہوں۔

انجمن کے قیام کے لئے سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ اس مراسلے کے ملتے ہی آپ رکنیت کی سالانہ فیس بحساب ۵۰ پیسے کل چھ روپیے سال ۱۹۷۰ء کے لئے ادا کرکے اس کے باضابطہ رکن بن جائیں اور ۳۰ر ستمبر ۱۹۷۰ء تک اس اطلاع سے نوازیں کہ آپ مجوزہ کانفرنس میں (جو اکتوبر کے دوسرے ہفتہ میں منعقد ہو رہی ہے اور جس کی تاریخ اور لائحہ عمل سے ہم بعد میں مطلع کریں گے) ضرور بالضرور شرکت فرمائیں گے۔

نوٹ:- (۱) خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ
ڈاکٹر عبد الواسع محلہ کرہ، مظفرپور

(۲) اس موقع پر انجمن کی انتظامی کارروائیوں کے علاوہ ایک مشاعرہ اور مجلس مذاکرہ کے انعقاد کا بھی خیال ہے جو حضرات اس میں حصہ لینا چاہیں وہ کسی ادبی عنوان پر کوئی مختصر مقالہ پیش کر سکتے ہیں مقالہ کے عنوان سے مطلع کیا جائے اور مقالہ ۲۰ر ستمبر تک روانہ کر دیا جائے۔

• عبد الواسع

اردو کمیٹی بھاگلپور کی تشکیل

بھاگلپور:۔ بھاگلپور کے اہل قلم، اہل فکر اور اردو کے شیدائیوں کی مشاورتی نشست میں اردو کمیٹی بھاگلپور کا قیام عمل میں آیا۔

مندرجہ ذیل عہدیدار منتخب ہوئے۔

(۱) صدر جناب محمد عثمان غنی صاحب
(۲) جنرل سکریٹری جناب شبیر صابری جرنلسٹ
(۳) جوائنٹ " " عبد السمیع سشیام سندر اٹلی جوٹ
(۴) تنظیمی " " سلیمان اشرف ایڈوکیٹ
(۵) نشر و اشاعت " کامل قوسی
(۶) خازن " منظور بھاگلپوری

• کامل قوسی

اردو مجلس ریاست میسور کا قیام

ریاست میسور میں اردو زبان کی بقاء اور اس کے تحفظ و ترقی کے مقصد سے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ موجودہ صورت حال میں خصوصی طور پر مردم شماری کے موقع پر پیدا ہونے والے اردو سے متعلق مسائل نیز سرکاری مدارس میں اردو کے موقف و مقام اور کالج اور یونی ورسٹی کی سطح پر اردو کے مستقبل کے سلسلے میں سعی و جہد اس کمیٹی کے مقاصد میں شامل ہیں چند اردو دوستوں کی ایک اہم نشست میں مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر غور و فکر کے بعد طے پایا کہ باضابطہ کام کو آگے بڑھانے کے لئے "اردو مجلس ریاست میسور" کے نام سے ایک کمیٹی تشکیل دی جائے۔ اتفاق رائے سے جناب خالد عرفان صاحب صدر اور جناب ابراہیم خلیل اللہ خاں صاحب معتمد منتخب ہو گئے۔

"مقام ابراہیم نمبر ۱۱۵ سینٹ جانس چرچ روڈ
بنگلور ۵"

ہماری زبان
سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
منیجر

تبصرہ

ڈاکٹر شمیم حنفی

۱۔ غالبیات نو
۲۔ انتخاب کلام غالب } عابد رضا بیدار
۳۔ وقت خدا ہے

ان کتابوں کو دیکھ کر سب سے پہلے میرے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ ان کی اشاعت کا مقصد کیا ہے؟

غالبیات نو یعنی غالب اسٹڈیز نمبر ا کے صفحات کی تعداد ۲۲ ہے۔ کاغذ، کتابت، طباعت بہت معمولی۔

انتخاب کلام غالب یعنی غالب اسٹڈیز نمبر ۲ کے ہر صفحہ پر اوپر اور نیچے دو الگ الگ نمبر دئے ہوئے ہیں۔ اوپر کے نمبروں کی روشنی میں صفحات کی تعداد ۷۷ ہے۔ نیچے جس صفحے پر کتاب کا خاتمہ ہوتا ہے اس کا نمبر ۱۸۲ ہے۔ کاغذ، کتابت اور طباعت کا وہی حال ہے۔ غالب اسٹڈیز نمبر ۱ تا ۴ کی قیمت مجموعی طور پر ۴ روپے ہے۔

وقت خدا ہے کے صفحات کا تعین اس وقت تک ممکن نہیں جب تک آپ باقاعدہ صفحے شمار کرنے کی خدمت خود ہی نہ انجام دیں۔ صفحہ ۲۶ کے بعد صفحات کا نمبر غائب ہو جاتے ہیں۔ پھر اس ٹوٹی ہوئی زنجیر کی کڑی صفحہ نمبر ۴۱ سے مل جاتی ہے۔ یہ سلسلہ صفحہ ۵۰ تک چلتا ہے۔ پھر صفحہ نمبر ۷۸، اور پھر اچانک "اردو ادب" شمارہ ۱، ۱۹۶۸ء کا صفحہ ۹۹۔ صفحہ ۱۲۱ تک اردو ادب کے شمارہ نمبر ۱ کا سلسلہ اور پھر صفحہ نمبر ۷ کی طرف مراجعت۔ یہ سلسلہ صفحہ ۲۰ تک جاری رہتا ہے۔ پھر صفحہ ۵ اور ۶ صفحہ نمبر ۳۰ اور ۳۱ کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں۔

اس کتاب کی قیمت دس روپے ہے۔

یہ کتابیں رامپور انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز، ۱۸۰۶ کلاں محل دہلی ۲ کی طرف سے شائع ہوئی ہیں۔ گراں بازاری کے اس دور میں بھی قیمت کا یہ معیار، اور نشر و اشاعت کی ترقی کے باوجود کتابت طباعت اور حسن ترتیب کی یہ مثال جو ان کتابوں نے پیش کی ہے کہیں اور ڈھونڈھنا فضول ہوگا۔ مطبوعہ کتابوں کی فہرست میں اضافہ محض کا شوق ہو تو کوئی بات نہیں لیکن پھر اس تجارت کا مقصد کیا ہے۔ کوئی قاری اگر اتفاقاً کتابوں کی کسی فہرست میں ان کے نام اور قیمتیں دیکھ کر مرعوب و متاثر ہو اور بڑی امیدوں کے ساتھ بذریعہ وی۔ پی یہ کتابیں منگوائے تو لذت تعبیر کی تلخی اسے ہمیشہ یاد رہے گی۔ رسائل میں شائع شدہ مضامین کے آف پرنٹس کو جمع کر کے، دو چار صفحوں کی مزید کتابت اور طباعت کے بعد ان سب کو مرتب کر کے دس روپے کی ایک کتاب تیار کر دینا بھی کار مرداں ہے۔

غالبیات نو میں چند تبصرے ہیں جن کتابوں پر اور رسائل کی خصوصی اشاعتوں پر جشن غالب کے سلسلے میں غالب سے متعلق سیکڑوں کتابیں اور رسائل کے نمبر منظر عام پر آئے۔ غالبیات نو کے مرتب نے انھیں میں سے چند کتابیں اور رسائل پر طویل اور مختصر تبصرے کئے ہیں اور انھیں ایک کتاب کی شکل دے دی ہے تبصرے کا نمونہ یہ ہے:۔

> "ذوقیات کے اپنے رنگ میں ڈوبی ہوئی خاصے کی چیز ہے۔ مزاحیہ چیز ہے۔ اس لئے پورے طور پر ہمارے اس سلسلہ میں نہیں کھپتی، لیکن یہاں اس لئے ذکر ہوا کہ بہر حال شرح کا ایک پہلو یہ بھی ہوا۔ فاضل مبصر ہی کا ایک جملہ یہاں نقل کرنا بے محل نہ ہوگا۔" اور یہ وہ جنس ہے جو موقت، الشیوع مطبوعات کو میسر نہیں ہوتی!"

انتخاب کلام غالب وہ انتخاب ہے جو خود غالب نے اپنے آخری دنوں میں رامپور بھیجا تھا۔ عرصہ ہوا عرشی صاحب اس انتخاب کا ایک بہت خوبصورت اور وقیع ایڈیشن شائع کر چکے ہیں۔ اس کی موجودگی میں زیر نظر کتاب کی اشاعت اور وہ بھی جشن غالب کے سلسلے میں شائع ہونے والے کتابچوں کے ساتھ معلوم نہیں کیا معنی رکھتی ہے۔ اس انتخاب پر اگر کوئی مفصل مقدمہ وغیرہ لکھ دیا گیا ہوتا تب بھی بات بن سکتی تھی۔ مرتب نے ایک چار صفحی پیش گفتار کا خاتمہ اس جملے پر کیا ہے۔ .... اس انتخاب میں آپ کو بعض بہت اچھے شعر نہ ملیں تو تعجب نہ کیجیے۔ اچھے اشعار کا بہت بڑا حصہ اس میں آ گیا ہے، یہی غالب کا کریڈٹ ہے۔"

"وقت خدا ہے" فکر و فلسفہ اور ادب کے چند مشاہیر کی ڈائریوں اور تحریروں کے انتخاب پر مشتمل ہے۔ غالباً عظیم اور لازوال کے عنوان سے یہ سلسلہ انجمن ترقی اردو (ہند) کے سہ ماہی اردو ادب میں (اور ممکن ہے کسی اور بھی رسالے میں) شائع ہو چکا ہے۔ فاضل مترجم نے آف پرنٹس یکجا کر کے اور چند نئے صفحات کے اضافے کے ساتھ ایک کتاب تیار کر دی ہے۔ اس کتاب میں ہیرقلیطس سے کامیو تک بارہ نام ملتے ہیں۔ ان میں جبران، ہیر ترسی پری، ابو العلا معری اور نطشے کے نام ناموں کی فہرست میں صرف اضافے کے لئے شامل کئے گئے ہیں کیونکہ جبران کے دو مختصر جملے، ابو العلا معری کے تین مختصر اقتباسات اور معری و نطشے کے ایک ایک جملے کے علاوہ مترجم نے ان کی تحریروں میں اور کچھ بھی قابل انتخاب نہیں پایا۔ ترجمے غنیمت ہیں۔

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم۔اے نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھپایا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کیا

REGD. NO. L 922 فی نمبر ۱۹ R. NO. 2156/57